پاسبان

میناۂ سخن

راقم قریشی

عباس

بِسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

مینارۂ سخن

انتخابِ کلام

راقمؔ قریشی

ترتیب و تزئین ضیامیرؔ

پیشکش

روزنامہ **پاسبان** بنگلور

کتاب کا نام :: مینارۂ سخن

نوعیت :: شاعری

مصنف کا نام :: عبدالکریم قریشی

تخلص :: راقم

سرِ ورق :: مصورِ خداداد عباس شریف، میسور

سالِ اشاعت :: 1997

تعداد :: 500

قیمت :: پچاس رُوپے ء

مطبع :: "پاسبان" آفسیٹ پرنٹرس، بنگلور

ناشر :: محمد عبید اللہ شریف

مدیر اعلیٰ روزنامہ "پاسبان"، بنگلور 52

جملہ حقوق بحق محمد غوث قریشی کنگل داماد راقم قریشی مرحوم محفوظ

"پاسبان گولڈن جوبلی" سیریز 2

معروضات

جناب محمد عبید اللہ شریف، ایڈیٹر ان چیف روزنامہ "پاسبان" نے کچھ عرصہ پہلے ایک مشاعرے میں اعلان کیا تھا کہ ادارۂ "پاسبان" کی طرف سے 10 ایسے شعراء کے مجموعے کلام شائع کئے جائیں گے جن کا کلام اب تک کتابی شکل میں منظرِ عام پر نہیں آیا ہے - انہوں نے ایسے شعراء کے شعری مجموعے شائع کروا کے انہیں "پاسبان کی گولڈن جوبلی تقریبات" کے موقع پر جاری کروانے کا فیصلہ کیا- اس فیصلہ کو روبہ عمل لانے کے لئے موصوف کی چیرمین شپ میں پاسبان گولڈن جوبلی پبلیکیشنز کمیٹی تشکیل دی گئی جو درج ذیل افراد پر مشتمل ہے-

کنوینر :: ضیاء میر - اراکین :: راز امتیاز، صالح منیر، مسعود احمد غضنفر، اکرم اللہ بیگ چودھری جیلانی جمیل، شکیل جاوید، ہدایت اللہ سکندر اور سعید احمد

دس ممتاز مرحوم اور بہ قیدِ حیات شعراء کو منتخب کرنے اور ان کی شعری تخلیقات حاصل کر کے انہیں ترتیب دے کر شائع کروانے کی ذمہ داری اس کمیٹی کو سونپی گئی کمیٹی نے 12 شعراء کو منتخب کر کے ان کے شعری مجموعے شائع کرنے کی سفارش کی جسے چیرمین صاحب نے منظوری دے دی اور ان بارہ شعراء کا کلام حاصل کرنے کی ذمہ داری کمیٹی کے اراکین میں بانٹ دی گئی- کمیٹی کے اراکین اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ان تمام بارہ شعراء کا کلام حاصل نہ کر سکے - لہذا کمیٹی نے ان شعراء کے شعری مجموعے شائع کرنے کا فیصلہ کیا جن کے کلام کے مسودے حاصل کئے جاسکے- جن شعراء کے شعری مجموعے شائع نہیں کئے جاسکے اس کا کمیٹی کو

افسوس رہا تاہم کمیٹی ان کا کلام حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھے گی اور جیسے جیسے ان شعراء کا کلام دستیاب ہوگا انشاء اللہ آئندہ ان کے شعری مجموعے بھی شائع کردئے جائیں گے۔

کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق ہر شعری مجموعے کی پانچ سو کاپیاں 1/8 ڈیمی سائز میں شائع کی گئی ہیں اور ہر مجموعے کی قیمت پچاس روپئے رکھی گئی ہے ہر شعری مجموعے کی ایک سو کاپیاں ادارہ ''پاسبان'' اپنے لئے رکھ لے گا ادارہ ''پاسبان'' یہ ایک سو کاپیاں فروخت نہیں کریگا بلکہ انہیں لائبریوں، ادبی اداروں، ادبی رسائل، تبصرہ نگاروں اور ادب نوازوں میں بلا معاوضہ تقسیم کردیگا باقی چار سو کاپیاں بہ قیدِ حیات شعرائے کرام اور مرحوم و مغفور شعرائے کرام کے وارثوں کے حوالے کردی جائیں گی ان شعری مجموعوں کے جملہ حقوق بہ قیدِ حیات شعراء اور مرحوم شعراء کے وارثوں کے حق میں محفوظ رہیں گے۔

شعری تخلیقات کے حصول، ان کی ترتیب و تدوین، کتابت و طباعت۔ میں پبلیکیشنز کمیٹی کے اراکین اور دیگر کئی ادب نواز حضرات نے ادارے کا پُر خلوص تعاون فرمایا ہے جس کے لئے ادارہ ان کا شکر گذار اور ممنون ہے ادارے کو پوری امید ہے کہ اُردو دُنیا میں ان شعری مجموعوں کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی

ادارۂ "پاسبان"

راقم قریشی - شخصیت اور شاعری

از ضیا میر چیف اگزیکیٹیو ایڈیٹر روز نامہ پاسبان، بنگلور

حضرت راقم قریشی ریاست کرناٹک کے ان شعرا سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اردو کی کلاسیکی غزل کی آخری دم تک پاسداری کی - ان کی ذہنی تربیت ایک ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں غزل کا بول بالا تھا - اگر میں یہ کہوں کہ انہیں شاعری ورثے میں ملی تھی تو بے جا نہ ہوگا - کیونکہ ان کے والد غلام دستگیر بھی غزل کے شاعر تھے اور ماہر تخلص کیا کرتے تھے - راقم قریشی نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ ان کے والد اس دار فانی سے کوچ کر گئے مگر جلتے جلتے اپنے ہونہار سپوت کو میدان سخن میں اتار کر ہی گئے -

عبد الکریم راقم قریشی ۱۹۱۳ میں ضلع کولار کے کنکل ٹون میں پیدا ہوئے - مقامی اردو مڈل اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران جب ان کی عمر بہ مشکل بارہ تیرہ سال تھی وہ شعر کہہ لیا کرتے تھے - جب ان کے والد کو اس کا پتہ چلا تو انہیں بہت ڈانٹ ڈپٹ ملی - اردو مڈل اسکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر راقم قریشی نے بنگلور کے فورٹ ہائی اسکول میں داخلہ لیا - معسکر بنگلور میں انہیں ایک وسیع ادبی ماحول ملا - وہ چوری چھپے مشق سخن کرتے رہے - یہ دیکھ کر کہ اپنی سخت تنبیہہ کے باوجود اپنا سپوت مملکت شعر و سخن کی وادیوں کی سیر میں گم ہے ان کے والد صاحب نے مشفقانہ انداز میں ہدایت دی کہ وہ اپنی غزلیں حضرت پیر محمد تسلیم قریشی کو دکھا لیا کریں - جو اس زمانے میں معسکر

بنگلور میں ایک قابل احترام استاد سخن ملنے جاتے تھے - یہ اسی زملنے کی بات ہے جب حضرت تسلیم قریشی کے چھوٹے فرزند افتخار احمد مبشر قریشی وادیٔ شعر و سخن میں قدم جمانے کے لئے پر تول رہے تھے - ایک عرصہ بعد اپنے والد کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے راقم قریشی اپنی ایک غزل لے کر حضرت تسلیم قریشی کی خدمت میں حاضر ہوئے - ان دنوں محمد علی حال میں ایک مشاعرے کا اہتمام کیا گیا تھا - مصرعۂ طرح یہ تھا :

" پھول جو سونگھتا ہوں بوئے وفا آتی ہے "

راقم قریشی نے اس مصرعۂ طرح پر طبع آزمائی کی تھی - وہ بڑی امیدوں کے ساتھ اپنی غزل لے کر حضرت تسلیم قریشی کے پاس گئے غزل پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد حضرت تسلیم نے سختی کے ساتھ فرمایا " جاؤ میاں ! کام کاج کرو - شاعری وغیرہ میں کیوں عمر گنواتے ہو - یہ سن کر راقم قریشی بڑے دل برداشتہ اور مایوس ہوگئے - مگر مشاعرے سے ایک دو دن پیشتر حضرت تسلیم نے ایک ملاقات میں ان سے دریافت کیا کہ کیا تم غلام دستگیر کے لڑکے ہو ؟ کیا وہ غزل جو تم نے چند دن پہلے مجھے بتلائی تھی تم ہی نے لکھی ہے ؟ " جب راقم قریشی نے ڈرتے ڈرتے مودبانہ سر ہلاکر تصدیق کی تو حضرت نے پوچھا مشاعرے میں جاؤ گے انہوں نے ہمت کر کے عرض کیا کہ اگر آپ غزل دیکھ کر اجازت دیں تو ضرور جاؤں گا اس کے بعد حضرت تسلیم نے ان کی غزل کی اصلاح کی - یہ راقم صاحب کا پہلا مشاعرہ تھا - جس میں انہیں اس غزل پر خوب داد ملی اور ان کے حوصلے بلند ہوگئے - راقم صاحب اس زملنے میں نویس تخلص کیا کرتے تھے - حضرت تسلیم نے انہیں نویس کی بجائے راقم تخلص اختیار کرنے کا مشورہ یہ کہہ کر دیا کہ راقم کا تخلص ہر بحر میں آسانی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے - اس کے بعد سے عبد الکریم نویس راقم قریشی

بن گئے - وہ ۱۹۳۱ سے ۱۹۳۸ تک حضرت تسلیم سے اصلاح لیتے رہے - اسی دوران حضرت تسلیم ایک صدمۂ جانکاہ سے گزرے - ڈیڑھ سال کے عرصے کے اندر ان کے دو نوں جوان بیٹے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے - حضرت تسلیم اس صدمے کے بعد گوشہ نشیں ہوگئے - انہوں نے فکر سخن اور مشوڑہ سخن سب کچھ ترک کر دیا جس کے باعث راقم قریشی میدان سخن میں بے یادرو مددگار ہوگئے - ایک دن حضرت تسلیم نے ان سے کہا کہ میرا دماغ کچھ ماؤف سا ہوگیا ہے - اب زندگی کی کسی چیز سے میری کوئی دل چسپی نہیں رہی - تم ہونہار شاعر ہو - مجھے پوری امید ہے کہ تم ایک دن اچھے شاعر بنوگے - اب تو میں تمہاری رہمائی کرنے سے رہا - تم کسی اور سے اصلاح لیا کرو - حضرت تسلیم نے یہ کہنے کے بعد مشورہ دیا کہ وہ حضرت نفیس بنگلوری سے اصلاح لیا کریں جو علم عروض و فارسی کے ماہر استاد اور ایک بلند پایہ شاعر ہیں -

راقم قریشی نے اپنی مختصر سرگذشت میں حضرت تسلیم کی شاگردی سے نکل کر حضرت نفیس کی حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونے کا جو واقع لکھا ہے انہیں کی زبانی سن لیجئے - اس سے یہ اندازہ بھی لگ جاتا ہے کہ اس زملنے میں استاد اور شاگرد کے درمیان کیسا رشتہ رہا کرتا تھا - شاگرد اپنے استاد کا کتنا احترام کیا کرتا تھا - وہ لکھتے ہیں " حضرت تسلیم کی یہ باتیں سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے - میں اس وقت حضرت نفیس سے واقف نہیں تھا - اس لئے ان کے پاس جانے کی جرأت نہیں ہوئی - بہت دن تک قبلہ حضرت تسلیم سے بھی ملاقات نہیں ہوئی - ایک دن اچانک ملاقات ہوگئی - بڑی شفقت سے پیش آئے - پوچھتے کوئی تازہ غزل ہوئی ہے تو سناؤ - میں نے عرض کیا جس وقت سے آپ نے اصلاح نہ دینے کی بات فرمائی اس وقت سے ابتک ایک مصرعہ بھی نہیں ہوا ہے اور یہ حقیقت بھی تھی -

فرمانے لگے مشق سخن جاری رکھو حضرت نے کسی استاد کا یہ شعر سنایا

رکاوٹ ٹھیک نہیں طبع کی روانی میں
کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں

میں نے عرض کیا حضرت نفیس سے میں واقف نہیں - اگر انکار کر دیں تو بری بات ہوگی - وہ فرمانے لگے - وہ ضرور تم پر نظر شفقت فرمائینگے - تم جاؤ اور ضرور جاؤ - میرے ایک دوست آزاد صاحب حضرت نفیس سے مراسم رکھتے تھے - میں ان کو ساتھ لے کر حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوا - جب معلوم ہوا کہ میں بہ عرض شرف تلمذ حاضر ہوا ہوں تو بالکل خاموش ہوگئے - چہرہ جذ بات سے خالی - بہت دیر بعد فرمایا دیکھا جائے گا - میں نے سوچا تسلیم صاحب قبلہ کا ذکر کردوں لیکن ہمت نہ ہوئی - خاموش چلا آیا - بہت دن گذر گئے - ایک دن ہمت کر کے میں اکیلا حاضر خدمت ہوا - بیٹھنے کو کہا گیا - لیکن عالم یہ کہ حضرت قبلہ کتا بت کر رہے ہیں اور میں بت بنا بیٹھا ہوں - اسی طرح کئی دن گذر گئے - میں دل میں خوش تھا کہ چلو حضرت اقدس کے پاس بیٹھنے کو جگہ تو ملی - خدا کا شکر ہے کہ رفتہ رفتہ اجنبیت کی خلیج کم ہوتی گئی اور ایک بہت خوشگوار دن جو میرے لئے خوش نصیب دن تھا میں نے حضرت نفیس کے سامنے یہ ہزار ادب زانوئے تلمذ تہ کیا - اس طرح بڑی مشکل سے مجھے حضرت کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا - بہر حال دن گذرتے گئے - میرا معمول یہ تھا کہ میں دو پہر کے کھانے سے فارغ ہو کر کوئی تین بجے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور حضرت قبلہ قیلولہ سے فارغ ہو کر اٹھتے چار ساڑھے چار بجے تک - حضرت قبلہ مجھے اوزان شعر اور قواعد و ضوابط ور صرف و نحو کا درس دیا کرتے - رفتہ رفتہ میرے ساتھ میرے دوست جناب عزیز الرحمان خواجہ عبد الشکور اور خواجہ عبد الکریم بھی حضرت قبلہ کے پاس آنے لگے - حضرت

نے ان تینوں کے تخلص علی الترتیب ریاض عسکری ، ناظم عرفانی اور خواجہ حازم تجویز کئے - حضرت نفیس سے مشورۂ سخن برسوں تک جاری رہا - یہ انہیں کا فیض ہے جو میں کچھ کہہ سکتا ہوں - حضرت نفیس کے انتقال کے بعد میری شاعری بے یارو مدد گار ہوگئی اور بس !"

راقم صاحب کے ان کلمات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وہ یونہی اچانک شاعر نہیں بن گئے - ان کے اندر چھپے ہوئے فطری شاعر کو اوپر لانے اور نکھارنے میں ان کے دو استادوں حضرت تسلیم قریشی اور حضرت نفیس نے جس طرح سے انکی رہنمائی کی ہے اس کی مثال اور راقم قریشی نے اپنے ان اساتذہ کی قدرو منزلت اور انکا احترام جس طرح کیا اس کی مثال فی زمانہ ملنی مشکل ہے - آج کل شعروادب میں استاد شاگرد کا مقدس رشتہ ہی عنقا ہوگیا ہے -

آئیے اب ذرا راقم صاحب کے رانگا رنگ کلام اور ان کے اشعار کی شان نزول پر کچھ روشنی ڈالیں - راقم صاحب کے استاد حضرت نفیس جنہیں فصاحت جنگ حضرت جلیل مانک پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا سہل ممتنع میں شعر کہنے میں مہارت کامل رکھتے تھے - اس کے برعکس ان کے شاگرد راقم قریشی کو سنگلاخ زمینوں میں موزوں قافیے تلاش کرنے اور غزل کہنے میں بڑا لطف آتا تھا - وہ غالب پرست تھے - ابتدائی دور میں انہوں نے بیشتر غزلیں غالب کی غزلوں ہی پر لکھیں - حضرت نفیس کے مزاج شاعری کے برعکس وہ عقلیم سخن میں غالب کے خوشہ چیں ہی رہے - حالانکہ انہوں نے اپنے ایک مقطع میں تعلّی کی ہے کہ

دیکھنا بزم شعر میں راقم
ایک آواز میر سی آئی

مگر غالب کا اثر ان کی شاعری پر غالب رہا - غالب کے بعد اگر وہ کسی

دوسرے شاعر سے متاثر تھے تو وہ غالب شکن مرزا یاس یگانہ چنگیزی تھے - ان کے چند اشعار پر گمان ہوتا ہے کہ یہ اشعار ان کے نہیں بلکہ یاس یگانہ کے ہیں - حضرت نفیس بھی یاس یگانہ کی شاعری کو پسند کرتے تھے - اور ان کی عروض دانی کے معترف تھے - فن عروض کی باریکیوں کے بارے میں ان سے خط و کتابت بھی کیا کرتے تھے اور ان کی غزلوں پر خود بھی غزلیں کہتے تھے - ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شاگرد عزیز راقم قریشی سے کہا کے یاس یگانہ کی تازہ غزل کا ایک شعر مجھے بہت پسند آیا سنو :

میری میت پہ کفن نے بھی دیا وہ جوبن
دوڑ کر سب نے کلیجے سے لگانا چاہا

تم بھی اس پر طبع آزمائی کرو اور میں بھی کرونگا اور خاص کر لگانا چاہا پر زیادہ توجہ دو ، راقم صاحب نے فی البدیہہ دو شعر کہہ دئے جو یہ ہیں

میں نے مانگی کچھ اس انداز سے جینے کی دعا
ملک الموت نے سینے سے لگانا چاہا

یاس نے کشتیٔ امید ڈبونی چاہی
گریۂ اشک نے طوفان اٹھانا چاہا

یہ اشعار سن کر حضرت نفیس پھڑک اٹھے - انہوں نے کہا کہ میں نے بھی "لگانا" کا قافیہ باندھا ہے - مگر تمہارا شعر صرف میرے شعر پر ہی نہیں بلکہ یاس یگانہ کے شعر پر بھی بھاری ہے - راقم قریشی کے اس معرکتہ الارا شعر کی عظمت کے

تعلق سے ایک اور واقع سنئے - میرے ہم وطن دوست محمد علی اسکول انسپکٹر جو مرحوم و مغفود ہو چکے ہیں میسور کے مہاراجہ کالج میں بی اے میں تعلیم پا رہے تھے - جہاں مولوی محمد خاں مرحوم اردو کے لکچرار تھے - جب محمد علی چھٹیوں میں گاؤں آئے تو میں نے انہیں راقم صاحب کا یہ شعر سنایا - وہ بہت متاثر ہوئے - وہ اپنے استاد مولوی محمد خاں کی علمیت کے بڑے مداح تھے - میں نے ان سے کہا کہ چھٹیوں کے بعد جب وہ واپس کالج کو جائیں تو راقم صاحب کا یہ شعر شاعر کا نام سنائے بغیر مولولی محمد خاں تک پہنچا دیں اور ان کی رائے پوچھیں - محمد علی نے ایک انوکھے طریقہ سے راقم صاحب کا یہ شعر مولوی محمد خاں تک پہنچایا - اردو کی کلاس میں مولوی محمد خاں کی آمد سے پہلے انہوں نے بلیک بورڈ پر جلی حرفوں میں راقم صاحب کا یہ شعر لکھ دیا -

میں نے مانگی کچھ اس انداز سے جینے کی دعا
ملک الموت نے سینے سے لگانا چاہا

میرے مشورے کے مطابق انہوں نے شعر کے نیچے شاعر کا نام نہیں لکھا - مولوی محمد خاں جیسے ہی کلاس روم میں آئے ان کی نظر بورڈ پر لکھے ہوئے اس شعر پر پڑی - انہوں نے بہ آواز بلند یہ شعر پڑھا اور واہ واہ کہتے ہوئے اس شعر کے محاسن پر تقریبًا ایک گھنٹہ لکچر دیا اور آخر میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ شعر بورڈ پر کس نے لکھا ہے - محمد علی نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں نے لکھا ہے - مولوی صاحب نے پوچھا جانتے ہو یہ کس کا شعر ہے - محمد علی نے جواب دیا کہ یہ شعر میرے ہم وطن شاعر راقم قریشی کا ہے - مولوی صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہاں بھی اس طرح کے بلند پایہ شعر کہنے والے شاعر موجود

ہیں ؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ یہ شعر یاس یگانہ چنگیزی کا ہے - محمد علی نے کہا کہ راقم قریشی نے اپنے استاد حضرت نفیس کی فرمائش پر یہ شعر یاس یگانہ کے اس شعر پر لکھا ہے

میری میت پہ کفن نے بھی دیا وہ جو بن
دوڑ کر سب نے کلیجے سے لگانا چاہا

مولوی صاحب نے کہا کہ راقم قریشی کا یہ شعر یاس یگانہ کے شعر کو کوسوں دور پیچھے چھوڑ کر بہت آگے نکل گیا ہے - اللہ کرے زور سخن اور زیادہ -

راقم قریشی ایک فطری زود گو شاعر تھے - ان کی بیشتر غزلیں طرحی مصرعوں پر لکھی گئی ہیں - ۱۹۵۰ میں جب مجھے گاؤں میں ایک طویل عرصہ تک رہنے کا موقع ملا تو ہر زور بلا ناغہ راقم صاحب سے میری ملاقات ہوا کرتی تھی - جب غزل کہنے کا موڈ آتا تو وہ مجھ سے کوئی طرحی مصرعہ دینے کے لئے کہتے - ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آج کچھ اچھا موڈ ہے کوئی اچھا سا طرحی مصرعہ دو غزل لکھینگے- میں نے کہا جگر مراد آبادی کا ایک مقطع ہے سنئے

ان کا وہ کہنا مری بانہوں میں بانہیں ڈال کر
میں جگر کے واسطے ہوں اور جگر میرے لئے

شعر سن کر راقم صاحب پھڑک اٹھے اور جگر کے تغزل کی تعریف کرنے لگے - بنگلور میں ۱۹۴۲ میں سیدہ اختر مرحومہ کے زیر اہتمام منعقدہ کل ہند مشاعرے میں جگر مراد آبادی کی شرکت اور ان کے مسحور کن تغزل اور ترنم کی باتیں کرنے لگے - مجھے سے کہنے لگے اس مشاعرے میں جگر نے جو غزل سنائی اس کا مطلع تھا

فتنۂ روزگار میں امن ہی کیا قرار کیا
حاصل زیست غم سہی غم کا بھی اعتبار کیا

اس یادگار مشاعرے کی خوشگوار یادوں سے واپس لوٹنے کے بعد انہوں نے کہا اب غزل بن جائیگی - ذرا جگر کا وہ شعر دو بارہ سناؤ چند لمحوں بعد انہوں نے اعلان کیا کہ مطلع ہوگیا ہے سنو!

داغ سینہ زخم دل درد جگر میرے لئے
حال یہ ہے رو رہا ہے گھر کا گھر میرے لئے

اس شعر پر میں ابھی واہ واہ کہہ رہا تھا کہ انہوں نے کہا کہ ایک اور شعر ہو گیا ہے سنو !

مہرباں صیاد فعل گل قفس کا در کھلا
رو یا بال و پر کو میں اور بال و پر میرے لئے

اس طرح راقم صاحب و فقہ وقفہ کے ساتھ شعر پر شعر کہتے گئے اور میں لکھتا گیا اور آخر میں انہوں نے یہ مقطع کہا

وہ بھی کیا دن تھے اے راقم دل تھا دنیا سے عزیز
اب یہی دل بن گیا ہے درد سر میرے لئے

میرا خیال ہے کہ پوری غزل پندرہ منٹ میں مکمل ہوگئی - واللہ کرے زود گوئی !

کنگل میں میرے قیام کے دوران راقم صاحب کی شعر گوئی اپنے شباب پر تھی - وہاں ایک ادبی ماحول سا بن گیا تھا - ڈاکٹر محمد ابراھیم بصیر کولاری کنگل کے

مشہور اسٹڈ فارم کے سوپرنٹنڈنٹ تھے - انہیں منیر نقشبندی کھلاری سے نیاز حاصل تھا - میسور سے محمد حنیف کلیم بھی کبھی آجاتے تو شعر و سخن کی محفلیں گرم ہوجاتیں منیر نقشبندی سے میرے دیرینہ مراسم تھے - میں نے راقم کی زود گوئی کے بارے میں انہیں خط لکھا - جواب میں انہوں نے لکھا کہ نشور واحدی کی ایک بڑی پیاری غزل نظر سے گذری ہے جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ' یہ باتیں راز کی ہیں قبلہ عالم بھی پیتے ہیں " راقم سے کہو کہ وہ اس طرح مصرعہ پر غزل لکھیں - دیکھیں وہ قبلہ عالم کا قافیہ کس طرح باندھتے ہیں - راقم صاحب نے کہا اچھا منیر صاحب ہمیں آزمانا چاہتے ہیں - چلو ابھی غزل کہے دیتے ہیں - ان پر شعر گوئی کا دورہ پڑنے لگا - وہ شعر پر شعر کہتے گئے - چند منٹوں کے بعد تیرہ اشعار کی ایک مرصع غزل تیار ہوگئی جس کے تین شعروں میں انہوں نے " قبلہ عالم " کا قافیہ باندھا ہے - ملاحظہ فرمائے -

بھلا ہو یا برا میں غم غلط کرنے کو پیتا ہوں
یہ کہہ کر آج کیوں لوں قبلہ عالم بھی پیتے ہیں

جواز مئے پرستی رند شاہد باز کیا جانے
انہیں سے پوچھ لیجئے قبلہ عالم بھی پیتے ہیں

جواز دخت از میں کھل گئے دفتر حدیثوں کے
کس نے کہہ دیا جب قبلہ عالم بھی پیتے ہیں

اس دور میں منیر صاحب نے ایک طرحی مصرعہ " چاندنی رات سے برسات

سے ڈر لگتا ہے " مجھے لکھ بھیجا اور کہا کہ راقم سے اس پر غزل کہنے کے لئے کہو - راقم صاحب طرحی مصرعہ سن کر موڈ میں آگئے اور شعر پر شعر کہنے لگے - مطلع تھا

حسن و الفت کی شروعات سے ڈر لگتا ہے
یعنی اس مرگ مفاجات سے ڈر لگتا ہے

منیر صاحب نے " شروعات " پر اعتراض کیا اور لکھا کہ میں نے کسی استاد کے کلام میں لفظ شروعات نہیں دیکھا ہے - راقم کی اس اختراع کی کوئی سند ہے تو کہو کہ لکھ بھیجیں

منیر صاحب نے اپنی غزل میں " شروعات " کے استعمال پر ایک شعر میں راقم صاحب پر چوٹ بھی چلی

مجھ کو راقم کی " شروعات " سے وڈر لگتا ہے "

بعد میں ان دونوں اساتذہ کے درمیان لفظ " شروعات " کے جواز اور عدم جواز پر کافی دل چسپ بحث چلی اور بالآخر منیر صاحب کو مان لینا پڑا کہ " شروعات " نئی لغطیات میں شامل ہے - اور اردو جیسی ترقی پذیر زبان میں اس کا استعمال اردو کی لغطیات میں ایک اضافہ ہے -

غالبًا فروری یا مارچ ۱۹۵۱ میں معسکر بنگلور میں یوم نفیس شاندار پیمانے پر منایا گیا - میں بھی راقم صاحب کے ساتھ اس تقریب میں شریک رہا جس میں مولوی محمد خاں نے نفیس پر اپنا مقالہ سنایا - راقم صاحب اپنے استاد کی موت سے اتنے اداس تھے کہ انہیں شعری خراج عقیدت پیش کرنے سے قاصر رہے - اس تقریب کے دوران انہوں نے دور ہاشمی کانپوری سے میرا تعارف کروایا - دور ہاشمی دراصل جگر مراد آبادی کے شاگرد تھے - وہ 1942 میں بنگلور میں منعقدہ کل ہند شاعرے کے لئے جگر کے ساتھ آئے تھے - مشاعرے کے بعد وہ سیدہ اختر کے

مہمان بن کر بنگلور ہی کے ہو کر رہ گئے - راقم صاحب نے ریاض عسکری سے بھی میرا تعارف روایا - یوم تفیس کی تقریب کے بعد راقم صاحب دور ہاشمی کانپوری اور ریاض عسکری کو اپنے ہمارہ لے کر کاؤں آئے - میں بھی ان کے ساتھ تھا - ان دو نوں کو انہوں نے اپنے خستہ مکان میں ٹھہرایا جو کنگل سے تقریبًا تین میل دور ان کی زمینات کے قریب تھا - ایک شام جب یہ خاکسار ابھی حاضر تھا دور ہاشمی نے کہا یار راقم اب غزل کہنے کا موڈ آگیا ہے - کوئی طرحی مصرعہ دو تو شروع ہوجاؤں - راقم صاحب نے کہا مجھ پر بھی کچھ اس طرح کا موڈ طاری ہے - ریاض عسکری نے کہا بھئی ! فی الحال مجھ پر کوئی ایسا موڈ طاری نہیں ہے - تم دو نوں غزلیں کہو اور سناؤ تو مجھے بھی موڈ آجائے - راقم صاحب نے حسب معمول مجھ سے کہا کہ میں کوئی طرحی مصرعہ دوں - عبد الحمید عدم کی ایک تازہ غزل نظر سے گذری تھی اس کا یہ مصرعہ میں نے دیا

"شام کی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں"

دور ہاشمی اور راقم صاحب دو نوں فورًا غزل لکھنے میں جٹ گئے - دو نوں نے چند منٹوں میں ایک ساتھ اپنی غزلیں مکمل کر لیں - دور ہاشمی کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائے -

کارواں مبتلا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں
وقت کی بانگ درا کے ساتھ پی لیتا ہوں

میکدے میں کوئی دیکھے بادہ معصومی سری
آشنا نا آشنا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

میکشی پر مری خود حیراں ہیں اہل میکدہ
دور سے شعلہ نوا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

راقم صاحب کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے :-

فطرت حسن وفا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں
یعنی رند با خدا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

واقعہ تازہ رہے خوف جگر کا اس لئے
صاحب دست حنا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

میرے نغمے گونج اٹھتے ہیں فضائے دہر میں
جب کسی رنگیں نوا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

دور ہاشمی اور راقم صاحب ایک دوسرے کو کھل کر داد دینے لگے - دور نے کہا بھئی راقم تم استاد ہو - راقم صاحب نے کہا نہیں دور تم استاد ہو - آخر میں ریاض عسکری نے مداخلت کرتے ہوئے کہا بھئی دور تم بھی استاد وہ (راقم) بھی ایک استاد !

راقم صاحب سے میں نے ایک بار پوچھا کہ ان کی شعری زندگی کا بہترین اور یادگار لمحہ کونسا ہے کچھ سوچنے کے بعد انہوں نے کہا کہ ۴۵ - ۴۴ کی بات ہے - بابائے اردو مولوی عبد الحق جب بنگلور تشریف لائے تو ان کی صدارت میں یجمان محمد علی ہال میں ایک شاندار مشاعرہ منعقد ہوا - مشاعرے کے منتظمین نے جو راقم صاحب کے حریف تھے مشاعرے میں انہیں نیچا دکھانے کے لئے انہیں دعوت نامہ مشاعرے کے وقت سے صرف چند گھنٹے پہلے دیا - مشاعرہ طرحی تھا اور غزل کہنے کے لئے وقت بالکل کم تھا - یہ راقم صاحب کی رندی کا دور تھا - وقت کی کمی کے باوجود وہ ایک مرصع غزل کے ساتھ مشاعرے میں شریک رہے - جب وہ یجمان محمد علی

ہال پہنچے تو ان پر ایک گونہ بے خودی کا عالم طاری تھا - ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بابائے اردو کو مشاعرے کی صدارت کرتے ہوئے دیکھ کر وہ سہم گئے - ناظم مشاعرہ نے جب غزل پیش کرنے کے لئے انہیں آواز دی تو وہ ڈرتے ڈرتے ڈائس پر گئے - ان کے منہ سے دخت رز کے بھپکے نکل رہے تھے - انہیں خوف تھا کہ کہیں بابائے اردو پر ان کی رندی کا حال فاش نہ ہوجائے - مولوی عبد الحق ان کا چہرہ دیکھ کر ہی بھانپ گئے کہ وہ کس حالت میں ہیں - جب راقم صاحب نے ترنم کے ساتھ غزل سنانی شروع کی تو بابائے اردو نے اپنا منھ دوسری طرف موڑ لیا جو راقم صاحب کی رندی پر ان کی ناراضگی کا اظہار تھا - راقم صاحب کو پسینے چھوٹنے لگے - مطلع سنانے کے بعد جب وہ اس شعر پر پہنچے

میں جیوں تو کس کے بل پر میں مروں تو کس بھروسے
نہ تو غم ہی دائمی ہے نہ خوشی ہی جاوداں ہے

تو بابائے اردو نے پلٹ کر ان پر نظر ڈالی جو ان کے اس شعر کی پسندیدگی کی علامت تھی - جب مولوی صاحب کی زبان سے اس شعر پر لفظ واہ نکلا تو راقم صاحب پر اس واہ کا نشہ غالب آگیا - وہ شعر سناتے رہے - اور بابائے اردو ہر شعر پر داد دیتے رہے - جب راقم صاحب نے یہ مقطع کہا

ہیں سخن شناس بے حد سر بزم آج راقم
جو نہ داد دیں تو سچ مچ ترا شعر رائیگاں گیا ہے

تو بابائے اردو نے ایسی داد دی کہ پورا ہال تحسین کے نعروں سے گونج اٹھا

-

راقم صاحب نے مجھ سے کہا کہ بابائے اردو سے داد پاکر مجھ پر جو کیفیت طاری ہوئی اسے آج بھی یاد کرتا ہوں تو ایک سرشاری سی مجھ پر طاری ہوجاتی ہے - یہ میری شعری زندگی کا بہترین اور یادگار لمحہ تھا - جسے میں بھی بھلا نہیں سکتا -

کا سارا خراج میرے استاد حضرت نفیس کو جاتا ہے - میرے پہلے استاد حضرت تسلیم قریشی نے سب سے پہلے میری انگلی پکڑی اور مجھے حضرت نفیس کے در پر پہنچا دیا - بعد میں حضرت نفیس نے مجھے اس قابل بنایا کہ میں بابائے اردو مولوی عبد الحق سے داد سخن حاصل کرسکا -

یہ حضرت نفیس کا فیضان نہیں تو کیا
راقم جو آج بزم سخن داں میں آگئے

جب نگلور میں راقم صاحب کے ایک شاگرد فخر الدین کامل نے بزم فردوس ادب کی بنیاد ڈالی اور ماہانہ مشاعرے منعقد کرنے لگے تو راقم صاحب بلاناغہ شرکت کرنے لگے - فردوس ادب کے مشاعروں میں ان کے جگری دوست وزیر عرشی بھی شرکت کیا کرتے تھے - ان دو اساتذہ کے نگلور میں ایک خوشگوار ادبی ماحول پیدا کر دیا - یہ راقم صاحب کا فیضان تھا کہ فردوس ادب کے پلیٹ فارم سے کئی نئے شاعروں نے جنم پایا

راقم صاحب کا ایک شعر ہے

خلاصہ ہے یہ اپنی زندگی کا
کبھی شعلہ تھے شبنم ہوگئے ہیں

یہ شعر ان کی زندگی کی مکمل تفسیر و تعبیر پیش کرتا ہے - ایام جوانی میں وہ واقعی شعلہ تھے - لیکن زندگی کی چکی میں پستے رہنے کے بعد ان کی ظاہری شعلہ فشانی مفقود ہوتی گئی - خصوصًا اپنی رفیقۂ حیات کی رحلت کے بعد وہ شعلہ سے بالکل شبنم بن گئے - ان کے مزاج کی اس تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کے شعری لہجے میں بھی تبدیلی آتی گئی - ویسے تو وہ روایت پسند شاعر تھے - بالکل اپنے استاد حضرت نفیس کی طرح - روایتی طرز کی بے شمار غزلیں کہنے کے بعد ۱۸ فروری ۱۹۸۳ کو اپنی

وفات سے چند برسوں پہلے کے آخری دور میں اچانک ان کے شعری لہجے میں ایک نئی تازگی اور تابندگی پیدا ہوگئی - ان کے اس دور کے کلام میں ہمیں غالب کے شعری قدروں کی توسیع ایک نئے لب و لہجے کے ساتھ ملتی ہے - جس پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کے لئے ایک علیحدہ مضمون درکار ہے - فی الحال یہاں راقم صاحب کے چند منتخب اشعار سے لطف اٹھائیے جن میں ان کے منفرد انداز سخن کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں - وہ کہتے ہیں

حسرت دید بھی کچھ ایسی نکلی
رہ گئیں آنکھیں کھلی خالی پیالوں کی طرح

برق و صیاد سے کچھ پوچھ انہیں بھی شاید
صورتیں ہیں گل و بلبل کی سوالوں کی طرح

مغموم چاند تارے فسردہ ، فلک خموش
کیا یہ بھی دام زلف پریشاں میں آگئے !

وفا اور جفا کا مکمل نمونہ
پتنگوں کی لاشیں یہی شمع سحر ہے

خاموش رات ، تارے ہیں غمگیں فضا ہے چپ
فرمائیے حضور ! کہ کیا بات ہوگئی

شاید کسی حسین کا مدفن ہے اس جگہ
ورنہ کہاں کے پھول بیاباں میں آگئے

شمع تک رو رہی ہے محفل میں
تم کو کس بات پر ہنسی آئی

صبح آنا تھا نا امیدی کو
کیوں سر شام ہی چلی آئی

یہ کیا ہوا مرے دل کی طرح اداس ہیں سب
کلی خموش ، گلوں میں شگفتگی کم ہے

خوشیوں سے پوچھئے گا نہ ہرگز مری شناخت
غم کے سوائے کوئی مجھے پہچانتا نہیں

ہر اک چیز ادھوری ہے یہ کیا قیامت ہے
ہوس کو لے کے مری زندگی کہاں پہنچی

دیوانہ وار ڈھونڈ رہی ہے مری نظر
تیری نگاہ مہر وہ میری ہنسی کہاں

شب فرقت میں سلگ اٹھتا ہے اکثر
یہ آنسو شمع سے کچھ کم نہیں ہے

زمانہ غیر سہی آپ گر اجازت دیں
حیات و موت کے ملنے کا اہتمام کروں

جب نظر آئے کوئی پژمردہ گل
دل کی صورت یاد آئے ہے مجھے

چار سو میں ہو چار سو تو بھی
ہے مری طرح ہو بہو تو بھی

غم ہستی کی انتہا معلوم
میں بھی ہوں محو جستجو تو بھی

تجلیات کا ایک بے کنار سا دریا
جگر میں آگ نگاہوں میں پیاس چھوڑ گیا

نہ جانے کیا اسے سوجھی پہنچ کے منزل پر
فسردہ غم کو خوشی کو اداس چھوڑ گیا

اب اس مقام پہ لے چل مجھے اے عشق جہاں
نہ تیری دید کا ارماں رہے نہ میرا وجود

کوئی مقام ہے ایسا بھی دہر میں راقم
جہاں نہ عشق پہ بندش نہ حسن پر ہوں قیود

حرماں نصیبی جو ہر شاعر اور تخلیقی فنکار کا مقدر ہے راقم قریشی کا مقدر بھی تھی - انہوں نے اپنی شاعری میں خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی حرماں نصیبی کی عکاسی کی ہے - ان کے اشعار میں ان کی روح کی بے چینی کی جھلکیاں جا بہ جا پائی جاتی ہیں -

میں ان کے چند اشعار کے ساتھ اپنے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں -

رہبر ہے کون راہ کدھر کارواں کہاں
کچھ سوجھتا نہیں غم دل کے غبار میں

رحمت نے کر دیا سر محشر خطا معاف
کیا انکسار تھا نگہہ شرمسار میں

تقدیر کی طرح ملک الموت بھی ندیم
کیا آگیا ہے گردش لیل و نہار میں

اس آس میں کے آئینگے وہ بہر فاتحہ
حسرت سر مزار ہے ہم ہیں مزار میں

کہاں گیا مرا دل ، دل لگی کہاں پہنچی
انہیں بتائے کوئی بے رخی کہاں پہنچی

نہ جانے درد لئے بے کسی کہاں پہنچی
خوشی کہاں گئی افسردگی کہاں پہنچی ہے سانس

سانس پریشاں نفس نفس لرزاں
حضور دیکھئے شرمندگی کہاں پہنچی

اے دوست عرصہء محشر بھی جگمگا اٹھا
جگر کے داغ کی تابندگی کہاں پہنچی

یہ دل کو کیا کہ خدائی کو بھی جھنجوڑ دیا
ہمارے عشق کی وارفتگی کہاں پہنچی

ہر ایک چیز ادھوری یہ کیا قیامت ہے
ہوس کو لے کے مری زندگی کہاں پہنچی

مجال ہو تو یہ پوچھے گی عرشِ اعظم سے
ترے حضور میں آزردگی کہاں پہنچی

بے نقاب آکے ذرا کیجے کرم آخرِ شب
مہرباں شمع کا رکھ لیجے بھرم آخرِ شب

ایک مدت کی کشاکش سے ہوا سمجھوتہ
مل گئیں زندگی و موت بہم آخرِ شب

صبح محشر مری بخشش کے یہی ضامن ہیں
رک نہ جائیں میرے اشکوں کے قدم آخرِ شب

اتنی تاخیر بھی اچھی نہیں جلدی کیجے
دم بھی بے دم سا ہے دے جائے نہ دم آخرِ شب

حسنِ وعدہ پہ میرے دل نے بھروسا کرکے
ڈھایا خودداری پہ اک اور ستم آخرِ شب

یاس خانے میں نہ جل اٹھے امیدوں کا چراغ
کہیں خوشیوں میں بدل جائے نہ غم آخرِ شب

روک لو دل کی تڑپ شام غریباں راقم
تا نہ کھل جائے تحمل کا بھرم آخرِ شب

خیالِ دوریء منزل سے ڈر گئے ہوتے
تو دھول بن کے فضا میں بکھر گئے ہوتے

جبینِ شوق پہ سجدے اگر مچل جاتے
کسی کے نقشِ کفِ پا ابھر گئے ہوتے

پناہ بخشی بھلے کو عدم کی منزل نے
نظر کے مارے وگرنہ کدھر گئے ہوتے

کسی طرح ہمیں جانا تھا بزمِ امکاں تک
ٹھہر بھی جاتے تو شب بھر سحر گئے ہوتے

حیات و موت کی منزل کو ڈھونڈنے والو
کبھی تو حدِ نظر سے گزر گئے ہوتے

نظر نواز نظر ہو تو پوچھنا کیا ہے
حجاب لاکھوں ہو جلوے بکھر گئے ہوتے

جگر کے زخم جو ہنستے چمن میں اے راقم
حسین پھولوں کے چہرے اتر گئے ہوتے

ویرانے کا ہر غنچہ و گل خار لگے ہے
ہر حسنِ تخیل مجھے بیمار لگے ہے

بستی یہ وفا کی سہی پر موسمِ گل میں
گلچیں کا ہر اک ذرہ طرفدار لگے ہے

یہ بات کے سچے یہ مجاہد کی جگہ ہے
اس قول کی تختی تو سرِ دار لگے ہے

اس دہر میں جو واقفِ انجام ہے اس کو
کلیوں کا تبسم بھی دل آزار لگے ہے

جو مصنوعی عظمت سے ہے بیگانہ اے راقم
مجبور سہی مجھکو وہ مختار لگے ہے

اب بھی ہیں ذہن میں کچھ دوست اجالوں کی طرح
چند خوابوں کی طرح چند خیالوں کی طرح

حسرتِ دید بھی جلدی میں کچھ ایسے نکلی
رہ گئیں آنکھیں کھلی خالی پیالوں کی طرح

پیچ در پیچ منازل میں بھٹک جاتا ہوں
غم کے آنسو کی طرح درد کے نالوں کی طرح

برق و صیاد سے کچھ پوچھ رہی ہیں شاید
صورتیں ہیں گل و بلبل کی سوالوں کی طرح

شاید یہ پھوٹ پڑے برسرِ محشر راقمؔ
چشمِ نم آج ابھر آئی ہے چھالوں کی طرح

جو ہے ذکرِ بلبل و گل وہی میری داستاں ہے
ترے جلوہء ازل کی مری ذات ترجماں ہے

میں جیوں تو کس کے بل پر میں مروں تو کس بھروسے
نہ تو غم ہی دائمی ہے نہ خوشی ہی جاوداں ہے

تجھے دیر میں پکارا تجھے جا حرم میں ڈھونڈا
کوئی کہہ سکا نہ مجھ سے کہ ترا پتہ کہاں ہے

ترے وعدہ ازل پر مری زندگی ہے قرباں
مجھے کیا وفا سے حاصل جو تو مجھ سے بدگماں ہے

ترا قہر موت میری تری مہر زندگی ہے
ترا ذکر میرا دل ہے تری یاد میری جاں ہے

ہیں سخن شناس بے حد سرِ بزم آج راقمؔ
جو نہ داد دیں تو سچ مچ ترا شعر رائیگاں ہے

جب بخت اپنے گردشِ دوراں میں آگئے
ہم تھک کے خود ہی گوشہء زنداں میں آگئے

تھمتے نہ تھے جو اشک وہ اک ہاں پہ رگ گئے
دریا سمٹ کے ساغرِ پیما میں آگئے

پھر ہو چلا ہے وعدہء فردا پہ اعتبار
پھر ہم فریبِ حُسنِ پشیماں میں آگئے

مغموم چاند ، تارے فسردہ ، فلک خموش
کیا یہ بھی دامِ زلفِ پریشاں میں آگئے

شاید کسی حسین کا مدفن ہے اس جگہ
ورنہ کہاں کے پھول بیاباں میں آگئے

یہ حضرتِ نفیسؔ کا فیضاں نہیں تو کیا
راقم جو آج بزمِ سخنداں میں آگئے

میں شاخِ گل میں ہوں اک برگِ زرد توڑ مجھے
اے دستِ گردشِ دوراں ذرا مڑوڑ مجھے

جہاں کی تنگ نگاہی نے کردیا بے حِس
کبھی تو قوتِ احساس آ جھنجوڑ مجھے

خود آزما نگہہِ امتیاز تو میری
اے بے خودی تو دوراہے پہ لا کے چھوڑ مجھے

مثالِ ذروں کے بہکی ہوئی ہواؤں میں
بکھر گیا ہوں نگاہوں سے اپنی جوڑ مجھے

خیال و خواب کی تاریخ کا ورق ہوں میں
اے دستِ عہدِ گذشتہ ذرا نچوڑ مجھے

میں پیچ و خم سے زمانے کے تھک گیا اے دل
جو سیدھی راہ ہے اُس پر لیجا کے چھوڑ مجھے

خدا ہے راضی تو پھر کس کا خوف ہے راقم
میں بے نیاز ہوں دنیا کہے کروڑ مجھے

درد کا اعتبار کیا کرتے
موت کو شرمسار کیا کرتے

کرلیا صاف خود حساب اپنا
حشر کا انتظار کیا کرتے

ڈھل گیا نیل آنکھ کا جس دم
خاطر بادہ خوار کیا کرتے

جاچکی جبکہ حسرت و اُمید
ہم سر رہگذار کیا کرتے

عمر ناپائیدار تھی اپنی
تم سے قول و قرار کیا کرتے

تھکے ہارے کبھی کے ڈوب چکے
بحر ہستی کو پار کیا کرتے

وضعداریء عشق بھی کچھ ہے
عرض ہم بار بار کیا کرتے

چل کے جوشِ جنوں میں اے راقم
دامن تار تار کیا کرتے

صبح نوازشات کی جب رات ہوگئی
زخمِ جگر سے خون کی برسات ہوگئی

نازک ترین مرحلہء درد پر ندیم
کل اپنی زندگی سے ملاقات ہوگئی

خاموش رات تارے ہیں غمگیں فضا ہے چُپ
فرمایئے حضور کہ کیا بات ہوگئی

اب پارسائی حرم و دیر کی ہو خیر
توبہ کسی کی نذر خرابات ہوگئی

اب ہم ہیں اور موجِ حوادث نواز ہے
تقدیر وقفِ گردشِ حالات ہوگئی

راقم دمِ اخیر بھی کوشش کے باوجود
لو آج اپنی موت کو پھر مات ہوگئی

دو عالم کی ہر شئے میں وہ جلوہ گر ہے
یہ دیر و حرم امتیازِ نظر ہے
میں سمجھاؤں کیا فلسفہ زندگی کا
نہ وہ جانتے ہیں نہ مجھ کو خبر ہے
ہے حُسن و محبت میں بس فرق اتنا
یہ ذوقِ نظر وہ فریبِ نظر ہے
وفا وجفا کا مکمل نمونہ
پتنگوں کی لاشیں ہیں شمع سحر ہے
پتہ مجھ سے راقم کا کیا پوچھتے ہو
مسافر ہے اس کا وطن ہے نہ گھر ہے

تلخیء غم کا سبب یاد نہیں
نہیں واللہ مجھے یاد نہیں
غنچہء دل سے بہل جانے دو
دست گلچیں کفِ صیاد نہیں
بعد مردن بھی کھلیں ہیں آنکھیں
حسرتِ دید تو برباد نہیں
مجھ سے پوچھو نہ خوشی کا عالم
غم بھی پابند ہے آزاد نہیں
دل کی بربادی کا غمناک سبق
کچھ مجھے یاد ہے کچھ یاد نہیں
روح پرسی کو وہ آئے راقم
آج پہلی سی وہ فریاد نہیں

داغ سینہ زخمِ دل دردِ جگر میرے لئے
حال یہ ہے رو رہا ہے گھر کا گھر میرے لئے

ٹپکے دو اشکِ ندامت دُھل گئے عصیاں کے داغ
قلزمِ رحمت ہے گویا چشمِ تر میرے لئے

خوب ہے اللہ رکھے درد و رنج و یاس کو
پاسبانِ دل نگہبانِ جگر میرے لئے

بے نیازِ قید و بندِ زیست ہے میرا جنوں
لفظِ بے معنی ہے یہ زنجیر و در میرے لئے

مہرباں صیاد فصلِ گُل قفس کا در کھُلا
رویا بال و پر کو میں اور بال و پر میرے لئے

دینے والے نے دیا کیا خوب حصہ بانٹ کر
آپ کو تیر نظر ذوقِ نظر میرے لئے

وہ بھی کیا دن تھے اے راقم دل تھا دنیا سے عزیز
اب یہ دل ہی بن گیا ہے دردِ سر میرے لئے

حُسن و الفت کی شروعات سے ڈر لگتا ہے
یعنے اس مرگِ مفاجات سے ڈر لگتا ہے

زہد و تقویٰ پہ اگر ناز ہے اتنا زاہد
تم کو کیوں رندِ خرابات سے ڈر لگتا ہے

شمع مرقد بھی بجھی جاتی ہے شاید اس کو
حُسنِ رنگیں کے حجابات سے ڈر لگتا ہے

حکمرانی ہو جہاں حسنِ خدا ساز کی دوست
عشق کو ایسے مقامات سے ڈر لگتا ہے

میری توبہ پہ یقیں مجھ کو ہے لیکن ہمدم
چاندنی رات سے برسات سے ڈر لگتا ہے

بے خودی میں نہیں کچھ سوجھتا راقم ہم کو
ہوش آتے ہی مکافات سے ڈر لگتا ہے